مقام ابراہیمؑ کی لطیف تشریح

محبت سے فتح عالم کی ضمانت

(خطبہ عیدالاضحیہ فرمودہ ۳؍جولائی ۱۹۹۰ء بمقام اسلام آباد، ٹلفورڈ، انگلستان)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی:

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی
لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۷﴾ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ
کَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ
سَبِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۸﴾

(آل عمران: ۹۷-۹۸)

اور پھر فرمایا:

یہ دو آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے آل عمران کی ۹۷ اور ۹۸ آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پہلا گھر جو بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے بنایا گیا یہ وہی گھر ہے جو بکہ میں ہے اور مبارک فرمایا گیا ہے مبارک کردیا گیا ہے اس گھر کو۔ وَ ہُدًی اور ہدایت کا موجب بنایا گیا ہے لِّلۡعٰلَمِیۡنَ تمام جہانوں کے لئے۔ اس میں کھلی کھلی خدا تعالیٰ کی نشانیاں ہیں یا کھلے کھلے نشانات ہیں مَقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ یعنی مقام ابراہیمؑ۔ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ کے بعد عطف کا لفظ استعمال نہیں فرمایا

یعنی ''واؤ'' نہیں کہا جس کے معنی ہیں ''اور''۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کھلے کھلے نشانات ہیں اور ابراہیمؑ کا مقام بھی ہے بلکہ یہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کھلے کھلے نشانات ہیں یعنی مقام ابراہیمؑ گویا مقام ابراہیمؑ آیات بینات کا بدل ہے اور دونوں ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں اور ایک ہی چیز کے گویا دو نام ہیں۔ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا جو اس میں داخل ہو وہ امن میں آجاتا ہے اور لوگوں پر خدا تعالیٰ کا ایک حق ہے کہ وہ اس گھر کا حج کیا کریں یعنی ان لوگوں پر جن کو استطاعت ہو کہ وہ اس حج کے مقام تک پہنچ سکیں اور جو انکار کرے تو اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام جہانوں سے۔ یعنی اگر تمام جہان بھی اس سے بے پرواہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بے پرواہ ہوگا اور اسے کوئی بھی فرق نہیں پڑے گا۔

ان آیات کریمہ میں جو لفظ مَّقَامِ اِبۡرٰهِيۡمَ ہے اس کے متعلق میں آج احباب جماعت کو مخاطب ہونا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم کے اندر یہ ایک کمال پایا جاتا ہے جو مستقلاً، مسلسل بغیر استثناء کے شروع سے آخر تک چلتا ہے اور وہ کمال یہ ہے کہ اس میں ایک بطن نہیں بلکہ بہت سے بطون ہیں یعنی ایک سطح معنوں کی چلتی ہے اور اس کے نیچے پھر ایک اور معنوں کی سطح چلتی ہے اور اس کے نیچے پھر ایک اور معنوں کی سطح چلتی ہے اور اس طرح ظاہری سطح کے نیچے باطن میں مختلف مضامین کے دھاگے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے آگے چلتے چلے جاتے ہیں۔ ان کو بطون کہا جاتا ہے یعنی پیٹ کے اندر قرآن کریم کے بہت سے مضامین مخفی ہیں اور جس طرح ظاہری مضامین کا ایک ربط ہے اسی طرح باطنی مضامین کا بھی ربط ہے جو ایک آیت کے مضمون کو دوسری آیت کے مضمون سے ملاتا چلا جاتا ہے۔

مناسک حج، جن کو ہم کہتے ہیں یعنی قرآن کریم میں حج کے ارکان ان فرائض کو ان حرکات اور سکون کو مناسک حج کا نام دیا ہے جو حج کے موقع پر حاجی ادا کرتے ہیں۔ مناسک حج کی حیثیت ایک بدن کی سی ہے جو حج کا بدن کہلا سکتا ہے اور یہ بدن تقاضا کرتا ہے کہ اس بدن کی ایک روح بھی ہو۔ قرآن کریم کی جن آیات میں اس بدن کا بیان ہے انہی آیات کے بطن میں اس کی روح کا بیان بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے اور یہ ایک بہت ہی حسین آمیزش ہے۔ یہ نہیں کہ روح کے بیان کے لئے علیحدہ مضامین کی ضرورت پیش آئے اور علیحدہ بیان کی ضرورت پیش آئے بلکہ وہ آیات جو

بدن کا مضمون بیان کرتی ہیں یعنی مناسک حج کا، ان کے بطن میں ان کی تہ میں ساتھ ساتھ حج کی روح کا مضمون بھی چلتا ہے اور آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور جہاں تک حج کی روح کا تعلق ہے اسے خدا تعالیٰ نے ان دو لفظوں میں بیان فرما دیا کہ وہ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ہے یعنی ابراہیمؑ کا مقام ہی حج کی روح ہے۔

مقام ابراہیم سے متعلق مزید وضاحت یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ مَقام ''م'' کی زبر سے ہے اور دو ہم معنی لفظ جو بہت ہی ایک دوسرے کے قریب ہیں گویا Twin Brothers ہوں، عربی میں پائے جاتے ہیں ایک مَقام اور ایک مُقام۔ مُقام میں ''م'' کی پیش ہے اور مَقام میں ''م'' کی زبر ہے اور جب میں نے قرآن کریم پر نظر ڈال کے ان دونوں الفاظ کے الگ الگ استعمال پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ مَقام کا لفظ چودہ مرتبہ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور چودہ مرتبہ ہی مرتبے کے معنوں میں ہے ظاہری مکان کے معنوں میں نہیں اور مُقام کا لفظ تین جگہ استعمال ہوا ہے اور تینوں جگہ ظاہری مکان سے اس کا تعلق ہے گو معنوی لحاظ سے وہاں بھی اس بات کی گنجائش نکلتی ہے کہ مرتبے کے معنی بھی اس کے اندر پڑھے جائیں لیکن واضح طور پر مُقام کے استعمال میں جگہ اور مکان کا تصور پایا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ (الاحزاب:۱۴)

کہ جب ان میں سے ایک گروہ نے یہ کہا کہ اے اہل یثرب تمہارے لئے اب یہاں کوئی ٹھہرنے کی گنجائش نہیں رہی، کوئی مکان نہیں ہے تمہارے لئے یہاں۔ تمہیں واپس لوٹنا ہوگا کیونکہ جب تمہارے ٹھہرنے کی یہاں کوئی جگہ ہی نہیں تو تمہیں لازماً واپس چلے جانا ہے۔

پھر ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جہنم کا ذکر کرتے ہوئے اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۞ (الفرقان:۶۷) یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے عارضی بھی، اور مستقل بھی تو مقام سے مراد مستقل ٹھکانہ اور مکان ہے۔ پھر اس کے برعکس اہل جنت کو یہ خوش خبری دی کہ تمہیں ایسی جگہیں مہیا کی جائیں گی حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ۞ (الفرقان:۷۷) کہ جو بہت ہی حسین اور دلکش جگہیں ہیں، دل لبھانے والی جگہیں ہیں۔ مُسْتَقَرّ یعنی عارضی طور پر قیام

بھی وہاں اچھا لگے گا اور مُقَامًا یعنی مستقل مُقام اور مکان بھی اچھا ہوگا۔ اس کے برعکس جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تمام وہ جگہیں جہاں لفظ مَقام استعمال ہوا ہے مُقام کی بجائے وہ مرتبے سے تعلق رکھنے والی جگہیں ہیں جیسا کہ فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۲﴾ (الدخان: ۵۲) خدا تعالیٰ کے متقی بندے، خدا سے ڈرنے والے لوگ ایک بہت ہی امین مرتبے کی جگہ پہ فائز ہوں گے۔ یہاں کوئی خاص مقرر جگہ اور مقام ظاہری طور پر نہیں بلکہ ایک اعلیٰ مرتبہ ہے جسے مقام امین فرمایا گیا ہے۔ پھر فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۷﴾ (الرحمٰن: ۴۷) اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے مَقام سے اپنے رب کے مَقام سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ تو خدا کا ظاہری مُقام تو کوئی نہیں ہے اس لئے یہاں بھی لفظ مَقام استعمال فرمایا گیا جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں مُقام ابراھیم بھی نہیں بلکہ مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ فرمایا گیا ہے اب اس مضمون کو میں ایک دوسری آیت سے باندھ کر آپ پر ایک بات واضح کرنا چاہتا ہوں اور وہ آیت یہ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾

کہ جب خدا تعالیٰ نے اس گھر کو یعنی خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے ایک خاص ٹھہرنے کا مُقام اور امن کا مُقام بنا دیا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى اور یہ ارشاد فرمایا، یا تمہیں ہم یہ حکم دیتے ہیں کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى کہ ابراہیمؑ کے مَقام کو مُصَلًّى بناؤ۔ عام طور پر اس آیت میں لفظ مُقام کو ظاہری معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حج بیت اللہ کے وقت وہاں ایک خاص جگہ ہے جسے ابراہیم کا مُقام قرار دیا جاتا ہے کہ یہاں حضرت ابراہیمؑ نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے جو بھی حج کرنے جائے وہ اگر اس مُقام پر کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے تو گویا اس نے مُقام ابراہیمؑ کو پا لیا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے مَقام کا اور مُقام کا دونوں کا بطن کے لحاظ سے ایک دوسرا ترجمہ کرنا ممکن ہے۔ جو سیاق وسباق کے مطابق ہو۔ لیکن اول معنی مَقام کا جیسا کہ میں نے قرآن کریم کے استعمال سے قطعی طور پر ثابت کیا ہے مرتبہ کا معنی ہے اور اگر

اس کے معنی ظاہری مکان لیتے ہیں تو وہ ایک ثانوی معنی ہے۔

پس وہ مقام جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوا کرتے تھے اگر ظاہری طور پر اس مُقام پر نماز ادا کی جائے تو یہ باعث برکت ہے لیکن قرآن کریم کا حکم اس وقت تک بجالانا ممکن نہیں ہوگا جب تک مَقام ابراہیمؑ پر نماز نہ پڑھی جائے اور مَقام ابراھیمؑ کسی ظاہری جگہ سے تعلق رکھنے والی چیز نہیں ہے بلکہ ایک باطنی مقام ہے۔ ایک مرتبہ کا مقام ہے۔ جس کی تشریح قرآن کریم نے خود ہی یہ فرمادی فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ کہ مَقام ابراہیمؑ سے کوئی ظاہری جگہ مراد نہ لے لینا، کعبہ میں خانہ کعبہ میں اور حج کے دوران خدا تعالیٰ کی عظیم الشان نشانیاں تمہیں ملیں گی اور حج کے ارکان کے اندر وہ آیات پوشیدہ ہیں اور اگر تم ان عظیم آیات کو یعنی خدا تعالیٰ کی نشانیوں کو سمجھنا چاہتے ہو تو یادرکھو کہ مَقام ابراہیم اور یہ آیات ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ پس جب خدا تعالیٰ نے مَقام ابراھیمؑ کو آیات اللہ قرار دے دیا تو وہ ظاہری ٹھہرنے کی جگہ جہاں نماز پڑھی جاتی ہے اسے ثانوی معنوں کے طور پر مَقام ابراھیم تو کہا جاسکتا ہے۔ مگر مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ وہ نہیں ہے۔ مَقام ابراھیم وہ ہے جو آیات ہیں اور آیات کی کوئی ظاہری شکل نہیں ہوا کرتی۔ کوئی ایک جگہ کا نام آیات نہیں رکھا جاتا اس لئے مَقام ابراھیم کو سمجھے بغیر حج کے فریضہ کی ادائیگی ممکن نہیں ہے اور وہی حاجی حج کے مطالب کو پاتا ہے، وہی حاجی حج کے مقاصد کو حاصل کرسکتا ہے اور اسی حاجی کا حج مقبول ہوگا جو حج کے دوران اور بعد میں بھی مَقام ابراھیم کو مصلّٰی بنائے رکھے اور ابراھیمؑ کے مقام کو سمجھنے کے لئے اس قرآن کریم کی آیت نے بہت سی کھڑکیاں کھول دی ہیں کہ وہ ایک مُقام نہیں نہ کسی ایک جگہ کا نام ہے، نہ کسی ایک خلق کا نام ہے بلکہ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ میں تو بہت سی نشانیاں ہیں بہت سی خدا تعالیٰ کی آیات ہیں جن کے مجموعہ کا نام مَقام ابراھیم ہے۔ گویا ابراھیمؑ آیات اللہ کا مجسمہ تھا اور اگر تم مَقام ابراھیمؑ کو پانا چاہتے ہو تو ابراھیمؑ کے خُلق پر اور اس کی صفات پر غور کرو اور اس خدا تعالیٰ سے تعلق کے اسلوب پر غور کرو جو ابراھیمؑ نے ہمیشہ اختیار کئے رکھا اور اس پر غور کرنے کے لئے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں، نہ بائبل کے مطالعہ کی ضرورت ہے نہ تاریخ کے مطالعہ کی ضرورت ہے کیوں کہ قرآن کریم نے مَقام ابراھیمؑ کو جب اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ قرار دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کھلے کھلے نشان ہیں اور وہ کھلے کھلے کیسے ہو جائیں جن کی جستجو جگہ جگہ

کرنی پڑے؟ پس مراد یہ ہے کہ قرآن نے خود ان باتوں کو کھول دیا ہے اور ابراهیمؑ کا مَقام تلاش کرنے کے لئے تمہیں ادھر ادھر نہیں پھرنا پڑے گا بلکہ قرآن کریم نے ہی ابراهیمؑ کی ان صفات کو خوب کھول کر بیان فرما دیا ہے جن کے مجموعے کا نام قرآن کریم مَقام ابراهیم رکھتا ہے۔

چنانچہ اس مضمون پر اگر آپ غور کریں تو حضرت ابراهیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر میں جہاں جہاں وہ ملتا ہے وہ آیات بھی آپ کو دکھائی دینے لگیں گی جن کے مجموعے کا نام مَقام ابراهیمؑ ہے مثلاً قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ (البقرہ: ۱۲۵) مقام ابراهیم کیا ہے؟ یاد کرو کہ جب بھی خدا نے اسے آزمایا ہمیشہ وہ خدا کی آزمائش پر پورا اترا اور ایک موقع پر بھی ڈگمگایا نہیں، ایک موقع پر بھی ناکام نہیں رہا۔ پس کتنا عظیم الشان مُقام ہے جس کو مَقام ابراهیم کہتے ہیں۔ اردو میں تو چونکہ دونوں صورتوں میں ''م'' کی پیش کے ساتھ بولا جاتا ہے اس لئے اردو محاورے میں جب میں بات کرتا ہوں تو مُقام کہہ دیتا ہوں مگر اصل لفظ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب اطلاق پاتا ہے تو اس کا نام ہے مَقام ابراهیم۔ پس یہ جو اردو کی وجہ سے معمولی تلفظ کی لغزش ہو جاتی ہے اس کو نظر انداز کر دیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آنحضرت ﷺ کے مُقام کا بیان ہوگا تو مراد مَقام ہی ہے خواہ ہم اسے اردو میں مُقام ہی کہیں۔

پس فرمایا وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو طرح طرح کے کلمات سے آزمائش میں ڈالا اور ہمیشہ وہ ان باتوں پر پورا اترا تب خدا نے یہ فرمایا قَالَ اِنِّىۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کہ اے ابراہیمؑ! میں تجھے تمام جہانوں کے لئے تمام بنی نوع انسان کے لئے امام بنانے والا ہوں۔ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ابراہیمؑ نے عرض کی تو میری اولاد میں سے بھی تو ایسے لوگ نکلیں! فرمایا لَا يَنَالُ عَهۡدِى الظّٰلِمِيۡنَ ہاں میں تمہاری دعا کو قبول کرتا ہوں مگر اس استثناء کے ساتھ کہ میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ یعنی وہ تمام تیری نسل میں سے جو تیرے مقام کو پہچاننے والے ہوں گے اور اسی مَقام کی تلاش میں زندگیاں گزاریں گے اور اس مَقام کو پا کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے، ان سب تک میرا یہ عہد ممتد ہو جائے گا، ان سب کو اپنے دائرے میں لے لے گا کہ کیا عہد ہے؟ میں تمہیں تمام بنی نوع انسان کے لئے امام بنانے والا ہوں لیکن وہ جو ظالم ہیں وہ اس عہد سے باہر رہیں گے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عہد درجہ کمال کو اس وقت پہنچا جب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ جو خانہ کعبہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے مبعوث ہونے تھے مبعوث ہوئے اور ابراہیمؑ کے مقام کو آپ نے وہاں سے آگے بڑھایا اور اس مَقام کا نام قرآن کریم نے مقام محمود رکھا ہے۔عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۸۰﴾ (بنی اسرائیل:۸۰) اور یہ عجیب بات ہے کہ ان دونوں جگہ جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ کیا گیا ہے یا آنحضرت ﷺ کو خوشخبری دی گئی ہے، دونوں کو اس کے ساتھ مستقبل کا صیغہ استعمال کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تجھے اَلنَّاس یعنی بنی نوع انسان کے لئے امام بنا دیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے تجھے مَقام محمود عطا کر دیا ہے بلکہ دونوں جگہ مستقبل کا صیغہ استعمال فرمایا ہے کہ اے ابراہیمؑ! چونکہ تو ہر امتحان پہ پورا اترا ہے گویا جیسے ہم کہتے ہیں کہ تو نے کامل طور پر خدا کا دل جیت لیا ہے اس لئے خدا تعالیٰ انعام کے طور پر تجھے اَلــنَّــاس کا امام بنائے گا اور دوسرے جب آنحضرت ﷺ سے مخاطب کر کے آپؐ کو خوشخبری دی گئی تو فرمایا کہ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۸۰﴾ ہر گز بعید نہیں، قریب ہے کہ خدا تعالیٰ تجھے مقام محمود پر فائز فرمادے۔

پس سوال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے یہ خوشخبریاں دی تھیں تو کیا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام اس وقت تمام انسانوں کے امام نہیں تھے؟ اور کیا آنحضرت ﷺ سے جب خدا تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور یہ خوشخبری دی کہ میں تجھے مَقام محمود پہ فائز کرنے والا ہوں تو کیا آپؐ اس وقت مَقام محمود پر فائز تھے یا نہیں تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں جگہ یہ ایسا مضمون ہے جو ساکت و جامد مضمون نہیں بلکہ ہمیشہ آگے بڑھنے والا مضمون ہے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب خدا نے مخاطب ہو کر آپؑ کو امام بنانے کی خوشخبری دی اس وقت ظاہری طور پر دنیا کے بہت کم لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے واقف تھے اور خدا کی نظر میں جو مُقام آپ کو عطا ہو چکا تھا وہ الــنــاس کی نظر میں ابھی عطا نہیں ہوا تھا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ آپؑ کی امامت کا معروف دائرہ پھیلتے چلے جانا تھا۔یعنی ایک وہ امامت ہے جو خدا نے آپؑ کو اسی وقت عطا فرما دی تھی جب خدا تعالیٰ نے آپؑ کو نبوت کے مقام پر فائز فرمایا لیکن ایک وہ امامت ہے جس کا مرتبہ رفتہ رفتہ دنیا نے پہچاننا تھا۔یعنی وہی امامت جو خدا کی نظر میں معروف تھی وہ بنی نوع انسان کی نظر میں مجہول تھی جس وقت یہ وعدہ کیا گیا

ہے اور خوشخبری یہ دی گئی تھی کہ اے ابراہیمؑ! جیسا کہ میں نے تجھے امام بنایا ہے تو بنی نوع انسان کی نظر میں بھی امام بنتا چلا جائے گا یہاں تک کہ تمام دنیا تیری امامت کو تسلیم کرے گی۔

اور آنحضرت ﷺ بھی بلا شبہ مقام محمود پر فائز تھے۔ جب خدا نے آپؐ کو یہ فرمایا عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۝۸۰ لیکن آپؐ کا مقام محمود بھی کسی ایک جگہ قرار پا جانے والا اور کھڑا رہنے والا مُقام نہیں تھا بلکہ ایک مَقام ہے اور ایک ایسا مرتبہ ہے جو ہمیشہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ہم تجھے ایک ایسا محمود مقام عطا کریں گے جو ہمیشہ بڑھتا چلا جائے گا اور اس کی رفعتوں کی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔ چنانچہ اسی مضمون کو خدا تعالیٰ نے دوسری جگہ یوں فرمایا وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ۝ (الضحیٰ: ۵) اے محمدؐ! تیرا ہر آنے والا لمحہ ہر گزرے ہوئے لمحے سے بہتر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پس مقام محمود ایک ٹھہرے ہوئے مَقام کا نام نہیں بلکہ ایک جاری وساری ہمیشہ بڑھتے ہوئے مرتبہ کا نام ہے اور یہ مَقام بھی تمام دنیا میں اسی طرح معروف ہونا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امامت نے دنیا میں معروف ہونا تھا اور اس کا تعلق اس عرفان محمد مصطفیٰؐ کا تعلق یا مُقام محمد مصطفیٰؐ کے عرفان کا تعلق چونکہ مستقبل سے ہے اور یہ مضمون جاری رہنے والا ہے اس لئے یہاں مستقبل کا صیغہ استعمال فرمایا یعنی وہ مُقام جو خدا کی نظر میں مَقام محمود ہے وہ تو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو آپؐ کی تخلیق سے پہلے ہی مل چکا تھا کیونکہ مقدر تھا۔ وہ مقام جب ظاہری شکل میں آپؐ کے وجود کی شکل میں ظاہر ہوا تو اوّل روز سے آپؐ اس مَقام پر فائز تھے لیکن وہ مَقام چونکہ ایک چلنے والا مقام ہے، کسی ایک جگہ آپؐ ٹھہرے نہیں رہے بلکہ مسلسل خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے عرفان میں آگے بڑھتے چلے گئے لیکن اس کے باوجود دنیا کو اس مَقام کا عرفان نصیب نہیں ہوا اور بہت کم لوگ تھے جنہوں نے آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو اس حیثیت سے پہچانا کہ آپؐ مَقام محمود پر فائز ہیں جو مقام ابراہیمؑ سے بلند تر اور اس مَقام سے شروع ہو کر آگے آنے والا ایک مقام ہے چنانچہ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۝۸۰ میں یہ وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ تجھے نہ صرف یہ کہ ہمیشہ مراتب میں ترقی دیتا چلا جائے گا بلکہ ایک وقت میں دنیا تیرے اس مقام کو پہچان بھی لے گی اور تمام بنی نوع انسان کی نظر میں تو اس مقام محمود پر فائز دکھائی دینے لگے گا۔

یہ تو مَقام کا حقیقی مفہوم ہے جو قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہے۔ اب میں اس کی روشنی میں جماعت کو ایک نصیحت کرنی چاہتا ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ ؕ پس خدا تعالیٰ سے ہم نے جو عہد باندھے ہیں ان عہدوں کی ادائیگی کے دوران لازم ہے کہ ہم پر ابتلا آئیں اور لازم ہے کہ ہم آزمائے جائیں کیونکہ کوئی بھی مقام انسان کو نصیب نہیں ہوسکتا جب تک وہ آزمائش کے دور سے گزر کر ان مَقامات کو حاصل نہ کرے پس ابراہیمؑ مقامات تک پہنچنے کی جدوجہد کو قرآن کریم نے دیکھیں کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرما دیا کہ اس مَقام پر پہنچنے سے پہلے ابراہیمؑ آزمائشوں کے دور سے گزرا ہے اور ہر آزمائش پر پورا اترنے کے نتیجہ میں اسے ایک بلند تر مَقام نصیب ہوا ہے اور ان تمام مقامات تک پہنچنے کا دور خود آیات کا دور ہے کیونکہ جیسی جیسی آزمائشیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آتی چلی گئیں ویسے ویسے ہی ان آزمائشوں میں کامیابی کے نتیجہ میں وہ آیت اللہ بنتے چلے گئے اور ان تمام نشانات کے مجموعہ کا نام وہ آیات ہیں جن کو اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ کہا گیا ہے۔

پس جماعت احمدیہ پر جب بھی آزمائش کا دور آتا ہے، یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ آزمائش کا دور عذاب اور سزا کے دور سے مختلف ہے۔ عذاب اس تکلیف کو کہا جاتا ہے جس میں انسان ناکام ہونے کے بعد مبتلا کیا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں مرتبے اور مقامات گرتے چلے جاتے ہیں، بڑھتے نہیں ہیں۔ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے قہر کا نشانہ بنائے جاتے ہیں وہ آیات اللہ نہیں بنتے بلکہ آیات الشیطین بن جاتے ہیں اور ان کے کردار دن بدن گندے ہوتے چلے جاتے ہیں، ان کے اخلاق گرتے چلے جاتے ہیں، ان کے اندر سے تمام صفات حسنہ غائب ہوتی چلی جاتی ہیں اور صفات سیئہ یعنی بری صفات کو جگہ دیتی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ قوم کا دن بدن حلیہ بگڑتا چلا جاتا ہے اور وہ ہر اعلیٰ مُقام سے ہر ادنیٰ مُقام کی طرف گرتی چلی جاتی ہے اس لئے ابتلا کو عذاب سے مشابہ دیکھنا ایک بہت بڑی حماقت ہے اور کم فہمی ہے بلکہ اندھے پن کی ایک نشانی ہے۔ خدا تعالیٰ کی الٰہی جماعتوں پر بھی آزمائش کے دور آتے ہیں، وہ بھی تکلیفوں کے دور سے گزرتے ہیں جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کئی قسم کی آزمائشیں آئیں اور تقریباً تمام زندگی تکلیفوں میں سے گزری اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر بھی طرح طرح کی بلائیں نازل ہوئیں اور اس قدر تکلیفوں کا دور آپؐ نے

دیکھا کہ اس کے تصور سے بھی انسان کے بدن پہ لرزہ طاری ہو جاتا ہے لیکن ہر آزمائش کے دور پر آپؐ کامیاب اترتے چلے گئے اور آپؐ کا مقام بڑھتا چلا گیا اور آپؐ کے ماننے والوں اور متبعین کا مقام بھی آپؐ کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا اور جو بد خلق لوگ آپؐ کے قریب آئے وہ اتنے صاحب خلق بن گئے، اتنے اعلیٰ اخلاق پر فائز ہوئے کہ ان کو دیکھ کر نظریں چکا چوند ہو جاتی تھیں۔ حیرت کے ساتھ دنیا ان کے اخلاق کو دیکھنے لگی اور ان کے اخلاق میں جو حیرت انگیز روحانی انقلابات برپا ہوئے ان کو دیکھ کر آج بھی تعجب ہوتا ہے۔

پس ابتلا اس کو کہتے ہیں جس کے نتیجے میں مقام نصیب ہوتے ہیں اور جس طرح ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ابتلاؤں پر ثابت قدمی دکھائی تھی اور انہیں خدا کا انعام جانا تھا اس طرح جماعت احمدیہ کو بھی ابتلاؤں پر شکر کرنا ہوگا اور ابتلاؤں پر صبر کرنا ہوگا اور ابتلاؤں کو ایک لعنت نہیں بلکہ خدا کا انعام گردا ننا ہوگا لیکن یہ تبھی ممکن ہے کہ اگر دعاؤں کے ذریعے مدد مانگتے ہوئے ہم ان ابتلاؤں پر ثابت قدم رہیں اور ہر ابتلا میں اسی طرح کامیاب ہوتے چلے جائیں جس طرح ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام ہر ابتلا میں کامیاب ہوئے اور ہر امتحان میں کامیابی ہی کا نام آیات بینات ہے اور اسی کا دوسرا نام مَقامِ ابراہیمؑ ہے۔

دوسرے مقام ابراہیمؑ میں خدا تعالیٰ نے یہ بات بھی داخل فرما دی کہ ابراہیمؑ صرف اپنے لئے فکر مند نہیں رہتا تھا، صرف اپنے لئے خدا سے دعائیں نہیں مانگتا تھا اور اپنے اور اپنی قریب کی نسل کے لئے خدا سے التجائیں نہیں کیا کرتا تھا بلکہ اس کی نظر بہت دور تک تھی۔ چنانچہ جب خدا تعالیٰ نے اس سے عظیم الشان مقامات کا وعدہ فرمایا اور یہ کہا کہ میں تجھے تمام بنی نوع انسان کے لئے امام بنانے والا ہوں تو بلا اختیار، بلا توقف، بے ساختہ عرض کیا وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ میرے اللہ مجھے تو انعام دے گا میری ذریت کا کیا بنے گا؟ میں تو راضی نہیں ہو سکتا جب تک میں دور تک اپنی نسلوں کو بھی نیکی اور تقویٰ پر قائم نہ دیکھ لوں اور اسی دعا میں اسی ذریت کی دعا میں وہ بیج بویا گیا جسے آگے جا کر بڑھنا اور نشو و نما پانا تھا اور مقام محمود تک پہنچنا تھا یعنی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں خدا تعالیٰ کا یہ عہد متقیوں کے سردار تک پہنچنا تھا اور پھر تمام بنی نوع انسان کا امام حضرت ابراہیمؑ نے براہ راست نہیں بلکہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلے سے بننا تھا کیونکہ ایک ہی نبی ہے جس کو تمام بنی نوع انسان کا نبی اور تمام

بنی نوع انسان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تمام دنیا کی الٰہی کتب کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں کسی کتاب میں خواہ اس کے ماننے والے زبردستی دعویٰ بھی کریں آپ کو ایک آیت بھی اس مضمون کی نہیں ملے گی کہ کسی نبی کو خدا تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے لئے اس واضح لفظوں میں رحمت قرار دیا ہو۔ پس جب میں نے کہا کہ **مَقام ابراھیم** ہی ترقی کر کے مَقام محمود یعنی مقام محمدؐ میں تبدیل ہوتا ہے اور تبدیل ہوا تو قرآن کریم کی آیات اس مضمون کو تقویت دیتی ہیں اور قرآن کریم کی ان آیات کا بطن جن کی میں نے تلاوت کی ہے اس مضمون کو سطح کے نیچے نیچے آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے اور قطعی طور پر ہم بغیر کسی شک کے یہ دیکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو امام الناس بنانے کا دعویٰ تھا اس میں مستقبل کے صیغہ استعمال کرنے میں یہ بھی حکمت تھی کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو براہ راست وہ **مُقام یا مَقام** نصیب نہیں ہونا تھا بلکہ جب تمام بنی نوع انسان کے لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو رحمت بنا کر مبعوث فرمانا تھا تب آپؐ کو وہ مقام نصیب ہونا تھا۔

اور آنحضرت ﷺ کے مقام محمود کا تعلق اس آخری زمانہ کے امام سے بھی ہے جس کو آپؐ کی غلامی میں مبعوث کیا جانا تھا اور جس کی غلامی میں آپ کے ماننے والوں کو اور آپ کی جماعت کو واقعۃً یہ توفیق ملنی تھی کہ وہ تمام دنیا میں اسلام کا پیغام اس قوت اور غلبہ کے ساتھ پہنچائیں کہ رفتہ رفتہ دنیا سے دیگر تمام ادیان مٹ جائیں اور ایک ہی دین دنیا میں باقی رہے جس کا نام دین اسلام ہے۔ جو ابراہیمؑ کا بھی دین تھا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بھی دین تھا۔

یہ ہے وہ مضمون جو مقام ابراہیم میں بیان کیا گیا ہے اگرچہ اس کی تفاصیل میں جانے کا موقع نہیں لیکن جس حد تک مجھ سے ممکن ہو سکا ہے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں اس بلند مُقام کو پیش نظر رکھیں تو آپ کا مُقام کتنا بلند ہو جاتا ہے اگر آپ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں۔ مقام محمود سے تعلق رکھنے والی آپ جماعت ہیں، ایک ایسی جماعت ہیں جس کی کوششوں اور جس کی دن رات کی محنت اور خلوص اور تقویٰ اور دعاؤں کے نتیجہ میں اسلام کو وہ آخری غلبہ نصیب ہوگا جس کے بعد ظاہری صورت میں بھی ہم یقین کے ساتھ کہہ سکیں گے کہ تمام دنیا نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ خدا کا وہ وعدہ پورا ہوتا دیکھ لیا ہے کہ عَسٰٓی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۸۰﴾ اے محمدؐ! ہرگز بعید نہیں کہ خدا تعالیٰ تجھے ایک مقام محمود پر فائز فرما دے یعنی تمام دنیا میں تیرا نام حمد کے ساتھ یاد

کیا جائے اور تمام دنیا میں تیرا نام تعریف کے ساتھ یاد کیا جائے۔

پس دنیا کی تعریف اور دنیا کی حمد کے لحاظ سے یہ ایک مستقبل میں ہونے والا واقعہ بھی تھا لیکن خدا کی حمد اور خدا نے جو تعریف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیان فرمائی اس کے لحاظ سے اس وقت یہ واقعہ ہو چکا تھا جب یہ وعدہ دیا جا رہا تھا۔ اس ضمن میں مقام ابراہیمؑ پر غور کرتے ہوئے میں نے ابراہیمیؑ مقام میں سے ایک خاص آیت چنی ہے جو ان آیات میں شامل ہے جسے مجموعی طور پر مقام ابراہیمؑ قرار دیا گیا ہے اور آج کی ہماری ذمہ داریوں سے اس آیت کا گہرا تعلق ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝٩٧ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩٨

(آل عمران: ۹۷۔۹۸)

کہ وہ وقت یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ نے اپنے رب سے مخاطب ہو کر یہ عرض کی رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى اے میرے خدا! مجھے دکھا تو سہی کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ یا مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ اے ابراہیمؑ کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ قَالَ بَلٰى کہا اے میرے رب کیوں نہیں! وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ میں تو دل کی طمانیت چاہتا ہوں، ایمان تو ہے اسی لئے چونکہ یہ ایمان کا لفظ یہاں خاص موقع پر استعمال ہوا ہے اس لئے میں نے اس کا ترجمہ یہ بھی کر دیا کہ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى میں یہ دعا، یہ التجا کی گئی تھی کہ تو آئندہ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا یہ نہیں کہ تو کیسے زندہ کرتا ہے؟ مُردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ تو حضرت ابراہیمؑ بارہا دیکھ چکے تھے۔ آپؑ بھی تو بار بار خدا کے کُن سے زندہ ہوئے اور زندگی کے بلند تر مراتب پر فائز ہوتے چلے گئے۔ پس ماضی کی بحث نہیں تھی نہ حال کی بحث تھی بلکہ مستقبل کے ان وعدوں کے تعلق میں یہ بات کی گئی تھی جن پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پورا ایمان تھا کہ خدا کے وعدے ہیں ضرور پورے ہوں گے۔ پس یہاں ایمان سے مراد یہ نہیں کہ تجھے مجھ پر ایمان ہے کہ نہیں مراد یہ ہے کہ جب میں نے کہہ دیا ہے کہ میں ان مردوں کو ضرور زندہ کروں گا؟ تو پھر تو کیوں مجھ سے پوچھتا ہے کہ میں

کیسے زندہ کروں گا کیا یہ بات کافی نہیں کہ میں نے کہہ دیا ہے کہ میں زندہ کروں گا اس پہ عرض کرتے ہیں وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ اے میرے رب ایمان تو مجھے کامل ہے مگر کچھ اطمینان تو ہو دیکھوں تو سہی کہ کیسے زندہ ہوں گے؟ اس پر خدا تعالیٰ نے ایک تمثیل کے ذریعے آپؑ پر یہ مضمون کھولا اور آپؑ کو وہ سلیقہ سکھایا کہ کس طرح روحانی طور پر مردے زندہ کئے جائیں گے ۔ فرمایا قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ اے ابراہیم! چار پرندے پکڑ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ اور ان چاروں کو اپنے ساتھ مانوس کر لے ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا پھر ان میں سے ایک ایک لے اور ان کو چاروں طرف پہاڑوں پر چھوڑ دے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ چاروں طرف کا ذکر فرما کر پہاڑوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا پھر تو ان کو اپنی طرف بلا تو وہ تیزی کے ساتھ، ولولے کے ساتھ، شوق کے ساتھ اڑتے ہوئے تیری طرف چلے آئیں گے۔ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٢٦١ اور یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی غلبے والا اور عزت والا اور حکمت والا ہے۔

بعض مفسرین جو زمانہ وسطی سے تعلق رکھنے والے مفسرین ہیں وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا چار پرندے پکڑ، پھر ان کا قیمہ کر اور اس قیمہ میں سے تھوڑا سا قیمہ شمال میں پہاڑ پر رکھ دے اور تھوڑا سا قیمہ جنوب میں پہاڑ پر رکھ دے اور تھوڑا سا مشرق میں پہاڑ پر رکھ دے اور تھوڑا سا مغرب میں پہاڑ پر رکھ دے اور پھر آواز دے تو وہ اڑتے ہوئے تیری طرف چلے آئیں گے۔ اس طرح میں مردے زندہ کرتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر زیر آیت واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتیٰ) کیا واقعۃً خدا اس طرح مردے زندہ کیا کرتا ہے کہ پہلے قیمہ کرتا ہے پھر ان کو مختلف سمتوں میں پہاڑوں پر جا کے رکھتا ہے پھر آوازیں دیتا ہے اس لئے ظاہر بات ہے کہ نہایت ہی بچگانہ ترجمہ ہے جو قرآن کریم کی عظمت کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں کیا گیا ہے اور مضمون جو ایسا عظیم الشان اور بلند مرتبہ مضمون تھا اس کو رفعتوں سے گرا کر زمین کے پاتال تک پہنچا دیا ہے۔ یہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احسان ہے کہ آپؑ نے قرآن کریم کو سمجھنے کی نئی راہیں ہمیں سکھائیں، نئی کنجیاں ہمیں عطا کیں، نیا عرفان عطا کیا اور جس راہ سے، جس آنکھ سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کو دیکھا اور سمجھا اس آنکھ سے دیکھنے سے حقیقتاً قرآن کریم کی عظمت

دوبارہ دلوں پر قائم ہو جاتی ہے اور بہت ہی عظیم کتاب کے طور پر انسان اس کتاب کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

یہاں دراصل مضمون یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے سارے جہانوں کا امام بناؤں گا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چاروں طرف مردہ لوگ دیکھتے تھے مردہ قومیں دیکھتے تھے ان کے مشرق میں بھی مردے بس رہے تھے ان کے مغرب میں بھی، ان کے شمال میں بھی ان کے جنوب میں بھی اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی پر غور کریں آپؑ کو بہت کم اپنی زندگی میں غلبہ نصیب ہوا ہے۔ آپؑ غلبہ کا بیج تو تھے لیکن وہ بیج آپؑ کی زندگی میں نشو ونما پا کر ایک عظیم الشان عالمی درخت نہیں بن سکا۔ پس یہ وعدہ یقیناً بعد میں پورا ہونے والا ایک وعدہ تھا اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو طمانیت قلب کی التجا کی تھی وہ اس لئے کی تھی۔ وعدوں پر ایمان تھا اور چاروں طرف جب نظر ڈالتے تھے تو روحانی طور پر عالَم کے عالَم کو مَرا ہوا پاتے تھے اور کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ یہ زندگی، یہ عالمی زندگی جس کے ذریعے حضرت ابراہیمؑ کو الناس کا امام بنایا جانا تھا اس کا تعلق حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے تھا کیونکہ آپ کو چاروں اُور، تمام طرفوں کا امام بنا کر دنیا میں بھیجا جانا تھا اور ایسا امام بنایا جانا تھا جس نے عملاً شمال پر بھی غلبہ پانا تھا اور جنوب پر بھی غلبہ پانا تھا مشرق پر بھی غلبہ پانا تھا اور مغرب پر بھی غلبہ پانا تھا اور تمام عالم میں کوئی جگہ باقی نہیں رہنی تھی جہاں آپؐ کو روحانی غلبہ نصیب نہ ہوتا اور جہاں آپؐ روحانی مردے زندہ نہ کرتے۔

جہاں تک جبل کا لفظ ہے، قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جبل سے مراد عظیم الشان طاقتیں ہیں جو دنیاوی طاقتیں ہیں چنانچہ سورۃ طٰہٰ میں اس مضمون کو یوں بیان:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۶﴾
فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۷﴾ (طٰہٰ: ۱۰۶، ۱۰۷)

فرمایا اے محمدؐ! تجھ سے یہ پوچھتے ہیں کہ یہ جو چاروں طرف تیرے بڑی بڑی حکومتیں دنیا میں قائم ہیں، یہ انسانی پہاڑ بنے ہوئے ہیں، ان کا کیا بنے گا؟ ان پر تجھے کیسے غلبہ نصیب ہوگا؟ تو تو دنیا کے لحاظ سے کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ان سے کہہ دے، ان پوچھنے والوں سے يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا میرا رب ان کو پارہ پارہ کردے گا، ریزہ ریزہ کردے گا۔ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۷﴾ اور ان کو

ایک چٹیل میدان میں تبدیل کرے گا۔ لَّا تَرٰی فِیۡھَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا ﴿۱۰۸﴾ (طٰہٰ:۱۰۸) پھر تو ان کو بڑی بڑی عظیم الشان قوموں کو ایسے برابر اور سدھری ہوئی حالت میں پائے گا کہ ان کے اندر نہ کوئی کجی باقی رہے گی، نہ کوئی تکبر باقی رہے گا کوئی اونچ نیچ باقی نہیں رہے گی۔ یَوۡمَئِذٍ یَّتَّبِعُوۡنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَہٗ ۚ (طٰہٰ:۱۰۹) وہ دن ہوگا اور وہ زمانہ ہوگا جب کہ اس داعی یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کے لئے یہ ذہنی اور قلبی طور پر تیار ہوں گے جس میں کوئی عِوَج نہیں کوئی کجی نہیں۔ پس پہلے خدا ان کی کجیاں دور کرے گا، ان کے تکبر توڑے گا، ان کی Civilizations کو تباہ کرے گا اور ملیا میٹ کردے گا اور ان پہاڑوں کو پارہ پارہ کرے گا پھر ان میں سے زندگی کے نئے آثار پھوٹیں گے۔

پس عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ کا لفظ جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کر کے استعمال فرمایا اس سے مراد یہ نہیں تھی کہ پرندوں کو قیمہ کر اور پھر ان کو پہاڑوں پر رکھ کے آ۔ مراد یہ تھی کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلام آپؐ کی محبت میں ایسے سرشار ہو جائیں گے اور ایسے سدھائے جائیں گے کہ وہ پھر آگے لوگوں کے دل جیتنے والے بن جائیں گے۔ ان کو پھر تمام دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں میں پھیلا دیا جائے گا اور جس طرح سِدھے ہوئے پرندے مالک کی آواز پر عملاً لبیک کہتے ہوئے، اڑتے ہوئے، بے ساختہ اس کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں یا اڑتے ہوئے چلے آتے ہیں اسی طرح ان خدا کے سدھائے ہوئے پرندوں کی آوازوں پر تمام بنی نوع انسان دوڑتے ہوئے محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف چلے آئیں گے۔

پس آج جو چاروں طرف آپ کو دنیاوی عظمتوں کے پہاڑ بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، آج آپ کو شمال میں بھی عظیم الشان طاقتوں کے پہاڑ دکھائی دے رہے ہیں اور جنوب میں بھی دکھائی دے رہے ہیں اور مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی ان تمام طاقتوں کی فتح کرنے کا سہرا خدا نے آپ کے سر پر باندھا ہے اور مقدر میں یہ سہرا باندھا جا چکا ہے لیکن اسے حاصل کرنے کا طریق وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ مَقامِ ابراہیم کو سمجھیں اور مَقامِ ابراہیم کے تقاضے پورے کریں۔ ان میں سے ایک یہ طریقہ ہے جسے آیات میں سے ایک آیت کے طور پر ہم شمار کر سکتے ہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آئندہ دنیا فتح کرنے کا گُر سکھایا گیا اور وہ یہ تھا کہ جس طرح تم پرندے سدھاتے ہو اسی طرح انسانوں کو سدھانے کا سلیقہ اختیار کرو۔ پرندوں کو مانوس کرتے ہو، ان

کے رزق کا سامان کرتے ہوان کے فائدے کا سامان کرتے ہو تب وہ تم سے محبت میں باندھے جاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ تمہاری جنس کا فرق ہے، تمہاری باتیں وہ سمجھ نہیں سکتے۔ ان کی عقلیں، ان کے جذبات، ان کے اندر کی دنیا بالکل ان باتوں، عقلوں اور اندر کی دنیا سے مختلف ہیں جو انسان کی اندر کی باتیں اور انسان کے اندر کی دنیا ہے لیکن اس کے باوجود محبت کسی زبان کو نہیں چاہتی۔ محبت ایک ایسی طاقت ہے جو براہ راست دور دور تک اثر کرنے والی ہے اور جنسی اختلاف کے باوجود محبت ضرور غالب آیا کرتی ہے۔

پس آج بھی دنیا میں جو حیرت انگیز طور پر سمندر کے جانوروں کو اور خشکی کے جانوروں کو اور ہوا میں اڑنے والے جانوروں کو آج کی دنیا کا انسان سدھارنے کی استطاعت پا چکا ہے اور حیرت انگیز کارنامے سرانجام دے رہا ہے یہ استطاعت اگر آپ غور کریں تو درحقیقت محبت ہی کی استطاعت ہے اس کے سوا کوئی استطاعت نہیں۔ جب تک کوئی جانور انسان سے مانوس نہ ہو، انسان اس سے پیار نہ کرنے لگے اس وقت تک وہ جانور اس کے تابع نہیں ہوسکتا۔ ایک مشہور سرکس کے بازی گر کے متعلق یہ واقعہ آتا ہے جو عالمی شہرت کا مالک تھا کہ اس نے بڑے بڑے خونخوار شیروں کو بھی ایسا اپنے تابع فرمان کرلیا تھا کہ وہ ان کو چھیڑتا تھا، ان کو تنگ بھی کرتا تھا لیکن وہ آگے سے سر نہیں اٹھاتے تھے۔ ایک دفعہ وہ ایسی حالت میں وہاں گیا کہ وہ جوان کو پچکارنے کی آوازیں دیا کرتا تھا جس سے اس کے دل کا پیار ان تک پہنچا کرتا تھا وہ آوازیں اس نے نہیں دیں، وہ بھول گیا تو وہی شیر بھڑک کر اس پر جھپٹ پڑے اور قریب تھا کہ وہ مارا جاتا کہ اچانک اس کو یاد آ گیا کہ ان کو یہ پتا نہیں کہ میں ان سے محبت کرنے والا وجود ہوں، میں وہی ہوں جو ہمیشہ ان سے پیار کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے جب وہی آوازیں ہلکی ہلکی سروں میں نکالیں جس طرح ہمارے عام اپنے ماحول میں بھی یعنی مشرقی دنیا میں بھی گدھوں والے گدھوں کو بلانے کے لئے آوازیں نکالتے ہیں، گھوڑوں والے گھوڑوں کے ساتھ خاص سلوک کرتے ہیں، بھینسوں والے بھینسوں کے لئے آوازیں نکالتے ہیں تو اس طرح اس نے بھی کچھ آوازیں مقرر کی ہوئی تھیں اس نے وہ آوازیں نکالیں۔ اچانک بپھرے ہوئے شیر اس طرح جھک گئے اس کے سامنے جیسے بھیڑیں ہوں۔ تو پیغام کیا تھا کہ وہ شیر جانتے تھے کہ یہ شخص ہم سے محبت کرتا ہے لیکن اتنی عقل نہیں تھی کہ چہرے سے پہچان سکیں۔ وہ محبت کے رشتے کچھ آوازوں کی زبان میں ان

تک پہنچا کرتے تھے اور یہ رشتے ہم نے تمام دنیا میں انسانوں اور جانوروں کے درمیان مختلف شکلوں میں استوار ہوتے ہوئے دیکھے ہیں۔ پس آخری غلبے کا راز طاقت میں نہیں بلکہ محبت میں ہے۔ کسی تشدد میں نہیں بلکہ رحمت میں ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ میں بار بار آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو رحمۃ للعٰلمین فرما کر اس بات کی ضمانت دے دی کہ آپؐ ضرور دنیا پر غالب آئیں گے کیونکہ وہ شخص جو خود مجسم رحمت ہو اور تمام بنی نوع انسان کے لئے رحمت ہو اور جس کے ماننے والے پھر آگے رحمت بنتے چلے جائیں ان کے لئے جیتنے کے سوا کچھ اور مقدر نہیں۔ وہ غالب آنے کے لئے بنائے جاتے ہیں مگر غالب آنے کے لئے وہ طاقت، وہ طاقتوں کا آخری سرچشمہ جس کے نتیجہ میں قومیں غالب آجایا کرتی ہیں، قرآن کریم کے بیان کے مطابق محبت ہے اور آئندہ دنیا کے احیائے نَو کی تصویر جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائی گئی وہ یہی تصویر تھی کہ پرندوں کو قابو کرنے کے لئے بھی تو تم محبت سے ان کو قابو کرتے ہو اور گویا ان کو زندہ کر دیتے ہو۔ کھوئے ہوئے پرندے تمہیں واپس مل جایا کرتے ہیں اسی طرح کا ایک عظیم الشان معجزہ رونما ہوگا اور وہ خدا کا محبوب بندہ آئے گا جس کو خدا تعالیٰ رحمۃ للعٰلمین قرار دے گا، اسے محبت کے گر سکھائے گا اور اس کی رحمت ہی ہے جو تمام دنیا پر غالب آئے گی اور شمال پر بھی غالب آئے گی اور جنوب پر بھی اور مشرق پر بھی اور مغرب پر بھی اور تمام دنیا سے لوگ زندہ ہو کر اس کی طرف دوڑے چلے آئیں گے۔

اب یہ لفظ زندگی اور زندہ کرنا ایک خاص معنی رکھتا ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس لفظ کو کن کن نبیوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ صرف دو ہی نبی ہیں جن کے لئے زندہ کرنے کا محاورہ قرآن کریم نے استعمال فرمایا اور اوّل ان میں سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپؐ کے غلاموں کو مخاطب کر کے آپؐ کا مقام سمجھایا گیا فرمایا اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال:۲۵) تم تو مُردہ تھے تمہاری تو کوئی حیثیت نہیں تھی اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وہ تمہیں پکارتا ہے تاکہ تمہیں زندہ کر دے اور ہر وہ شخص جو اس کی آواز پر لبیک کہتا ہے وہ زندہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اب دیکھئے وہی ابراہیمی معجزہ ہے جس کا ذکر فرمایا گیا ہے اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ یہ خوشخبری تھی جو ابراہیمؑ کو دی گئی تھی اور آپ پوچھا کرتے تھے کہ کیسے ہوگا؟ ساری زندگی میں نے گزاری ان لوگوں میں، ان جاہلوں میں اور میری آواز پر لبیک کہتے ہوئے زندہ نہیں ہو سکے۔ میں

کامل یقین رکھتا ہوں کہ تیرے وعدے سچے ہیں مگر میری طمانیت قلب کے لئے مجھے بتا تو سہی کہ کیسے یہ قومیں زندہ ہوں گی؟ خدا نے فرمایا ایک آنے والا ایسا آئے گا جس کی آواز میں زندگی ہوگی، جس کی دعوت میں زندگی ہوگی، وہ رحمۃ للعٰلمین ہوگا جب وہ محبت اور پیار اور رحمت اور شفقت سے لوگوں کو بلاوے دے گا تو مُردے قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے اس کی طرف چلے آئیں گے اور اس کی دعوت ہی میں زندگی ہے۔

دوسرا زندگی کا لفظ حضرت مسیحؑ کے متعلق استعمال فرمایا کہ اسے بھی خدا نے مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت بخشی تھی۔ ظاہر بین علماء وہاں بھی بدنصیبی سے ترجمے ظاہر کے ہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں وہ مسیحؑ کسی زمانہ میں مٹی سے چڑیاں بنا کر ان میں پھونکیں مارتا تھا اور وہ زندہ ہو جایا کرتی تھیں، اڑنے لگ جاتی تھیں یا واقعۃً گڑھے ہوئے مردوں کو جو سالہا سال سے مرے ہوئے تھے، ان کی قبروں پر جا کر آوازیں دیتا تھا تو وہ قبریں پھاڑ کر باہر نکل آتے تھے۔ وہ نہیں جانتے کہ مسیح کی زندگی اس زندگی کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تعلق میں زندگی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وہی حقیقی زندگی ہے۔ آنحضرتؐ کو جو زندہ کرنے کی طاقت دی گئی تھی وہ روحانی مُردے زندہ کرنے کی طاقت دی گئی تھی۔

پس جس مسیح کی خوشخبری دی گئی ہے کہ وہ امت میں آئے گا اسے روحانی زندگی کی طاقتیں لیکر ہی آنا تھا اور آنحضرت ﷺ کی غلامی میں اس کو ظاہر کر کے یہ دکھا دیا گیا کہ زندہ کرنے والوں کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اب دنیا کو کوئی زندگی نصیب نہیں ہوگی جب تک آپؐ کی غلامی میں وہ لوگ پیدا نہ ہوں جو آگے لوگوں کو زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ پس مسیحیت کے دور سے بھی آپ ہی کا تعلق ہے، آپ ہی نے اس مسیح کو پہچانا ہے جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی میں زندہ کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے اور اس راز کو سمجھیں، اپنی محبت کے دائروں کو وسیع کریں، آپ اگر رحمۃ للعٰلمین بنیں گے اور محمد مصطفیٰؐ کی غلامی میں اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ تب لازماً آپ دنیا پر فتح یاب ہوں گے، چاروں اُور آپ کے منتظر ہیں، شش جہات آپ کی راہ دیکھ رہی ہیں آگے بڑھیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے رحمت اور محبت کے گر سیکھیں، اس رحمت کو اپنی زندگیوں میں اس طرح جذب کرلیں کہ آپ محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلق کے اپنے درجہ کے مطابق آئینہ دار بن جائیں۔ پھر دیکھیں کہ چاروں طرف جو بڑی بڑی حکومتوں کے پہاڑ ہیں، کہیں آپ کو

مشرق میں روس دکھائی دیتا ہے اور کہیں مغرب میں آپ کو امریکہ دکھائی دیتا ہے، کہیں شمالی یورپ کی طاقتیں ہیں، کہیں جنوب مشرق میں جاپان اور دوسری بڑی بڑی طاقتیں پھیلی پڑی ہیں۔ یہ ساری طاقتیں، یہ تمام پہاڑ آپ کے زیرنگیں کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں لیکن محبت کا جادو ہے جو ان پر چلے گا۔ اپنے ماحول میں محبت کے جادو جگانے لگیں کہ اس کے ذریعے ہی روحانی مردے زندہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ اور دعا کے بعد حضور نے فرمایا:

چونکہ اس عید کے بعد وہ کچھ دوسرے تقاضے ہوتے ہیں قربانیاں کرنی یا قربانیاں نہ بھی کرنی ہوں تو گوشت وغیرہ تیار کرنا اس لئے اس عید کے بعد مصافحہ نہیں ہوتا تو اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ آپ کو اور تمام دنیا میں پھیلے ہوئے غلامان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بہت بہت عید مبارک ہو۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔